جلد ۱۳ | تبوک ۱۳۵۱ ھش | شمارہ ۹
ستمبر ۱۹۷۲ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت آٹھ روپے
دیگر ممالک ایک پونڈ

فی پرچہ ا۔۔۔ پیسے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

تبوک ۱۳۵۱ ہش

شعبان ۱۳۹۲ ہجری ستمبر ۱۹۷۲ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

چندہ سالانہ آٹھ روپے

فی پرچہ پچھتر پیسے

فہرست مضامین

○ پبلشر ..... چوہدری محمد ابراہیم صاحب

○ مطبع ...... ضیاء الاسلام پریس ربوہ

○ مقامِ اشاعت ..... دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۳ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۹

تبوک ۱۳۵۱ ہش

مسلمانوں کی موجودہ مصائب سے نجات اور ترقی قرآن کریم سے وابستہ ہے

ہمارا فرض ہے کہ قرآنی انوار سے خود بھی منوّر ہوں اور پھر انکی دنیا میں اشاعت بھی کریں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اس وقت قریباً تمام دنیا میں ہی فتنہ و فساد پھیلا ہوا ہے۔ اضطراب اور بے چینی کی ایک لہر اٹھی ہوئی ہے اور اس کو دور کرنے کی جو کوشش بھی کی جاتی ہے ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے اور حالات سنورنے کی بجائے دن بدن بگڑ رہے ہیں۔ لیکن اسلامی ممالک کچھ زیادہ ہی مصائب و آلام کا شکار ہیں ان میں افراتفری کا عالم ہے۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ان میں انقلاب آرہے ہیں۔ ایک طرف دشمن ان کی سرحدات پر بیٹھا خطرہ بنا ہوا ہے تو دوسری طرف اندرونی فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے اپنے ملک پاکستان کا یہ حال ہے کہ جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں ملک کا ایک بڑا حصہ اس سے الگ ہو گیا ہے۔ باقی حصہ پاکستان کا پانچ ہزار مربع میل علاقہ دشمن کے قبضہ میں ہے جس کی وجہ سے لاکھوں افراد بے گھر ہو کر خیمہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہزاروں فوجی اور غیر فوجی افراد دشمن کی قید میں ہیں اور ان کی وجہ سے ان کے خاندانوں میں گھبراہٹ اور بے چینی پائی جاتی ہے جنگ میں عارضی شکست کی وجہ سے ایک طرف قومی وقار کو ٹھیس پہنچی ہے تو دوسری طرف ملک کی اقتصادی حالت کو سخت نقصان پہنچا

سازشوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ کہیں آجر و اجیر کے درمیان جھگڑا ہے۔ کہیں حاکم و رعایا کے درمیان اختلاف ہے۔ کہیں لسانی جھگڑا چل رہا ہے تو کہیں صوبائی تعصب کو ہوا دی جا رہی ہے۔ ہڑتالیں ہو رہی ہیں صنعت تجارت کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ لوگوں کی اخلاقی حالت بھی بہت گر چکی ہے۔ روزانہ اخبارات کے صفحات قتل و غارت کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ توڑ پھوڑ کا سلسلہ جاری ہے۔ گھیراؤ جلاؤ عام فیشن بن گیا ہے۔ غرض عجیب حالت ہے جس میں پاکستان اور پاکستانی قوم گھر گئی ہے۔ لوگ حیران و پریشان ہیں۔ اصلاح احوال کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن انسانی ذہن یہ سوچتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ ہماری قوم ان مصائب سے کب اور کس طرح چھٹکارا پائے گی۔

دنیوی طور پر اس کے متعلق بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں اور کہی جاتی ہیں مگر جہاں تک حقیقت کا سوال ہے اس کا بڑا موجب مسلمانوں کا قرآن کریم کو متروک و مہجور بنا دینا ہے۔ مسلمانوں کی ترقی قرآن کریم کی اتباع سے وابستہ ہے۔ چنانچہ جب تک مسلمان قرآن کریم کے پورے متبع اور پابند رہے وہ ترقی کی منازل طے کرتے رہے۔ لیکن جب وہ قرآن کریم سے دور جا پڑے۔ ذلت و نکبت اور زوال ان کا مقدر بن گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"مسلمانوں نے جب بھی عروج و ترقی کی تہذیب کی رفعتوں تک پہونچے تو یہ ارفع مقام انہیں اتباعِ قرآن ہی کے نتیجہ میں ملا اور جب کبھی انہوں نے قرآن اور اس کی اعلیٰ و ارفع تعلیم کو پس پشت ڈال دیا، اس سے منہ موڑ لیا، اس سے بے رخی ہوئی، اس سے دوری اور بے تعلقی اختیار کی اور اسے ناقابل عمل سمجھتے ہوئے مہجور قرار دیا تو وہ قعرِ ذلت میں جا گرے" (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۶۶ء)

پس موجودہ حالات اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ اس زمانہ میں قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس سے ہدایت تلاش کرنے کی بجائے مسلمان استمداد کے لئے دوسروں کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے پیش کردہ اقتصادی نظام کو چھوڑ کر دوسرے دنیوی نظاموں کی طرف دیکھ رہے ہیں وہ حقیقی طور پر مومن بالقرآن نہیں رہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جس قرآن نے آج سے چودہ سو سال قبل عربوں کو قعرِ ذلت سے نکال کر دنیوی لحاظ سے بھی ترقیات کے عروج تک پہنچا دیا تھا وہ آج کے مسلمانوں کی راہ نمائی نہ کر سکے۔ قرآن کریم کے نزول سے قبل عرب لوگ بالکل درندوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے عیاشی، شراب خوری اور قمار بازی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ چوری، قزاقی، خونریزی اور بیگانے حقوق دبا لینا ان کا روزمرہ کا کام تھا وہ ہر طرح ظلمت و غفلت کا شکار تھے۔ لیکن قرآن کریم نے تھوڑے سے عرصہ میں ان کی حالت کو

بدل دیا۔ وہ انسانیت کے معلم بن گئے۔ اخلاق فاضلہ کے مالک بن گئے۔ بدیوں کو چھوڑ کر نیکیوں کے اختیار کرنے میں مستعد ہو گئے۔ قرآن کریم نے ان بادیہ نشینوں کو جنگلوں اور صحراؤں سے اٹھا کر محلات میں بٹھا دیا۔ محکوم اور حقیر سمجھے جانے والے لوگ قرآن کریم کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے حاکم بن گئے۔ دنیا ان سے ڈرتی تھی وہ جہاں بھی جاتے تھے فتوحات ان کے قدم چومتی تھیں دیانت اور امانت میں ان کو بطور مثال پیش کیا جاتا تھا۔ کمزور اقوام اور حکومتیں ان سے مدد طلب کرتی تھیں۔ مگر آج مسلمان قرآن کے متبع ہونے کے باوجود بالکل محتاج بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ نیکی کی راہوں کو چھوڑ چکے ہیں عروج و ترقی کی بجائے وہ زوال کا شکار بن گئے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کو چھوڑ چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

مسلمانوں پہ تب ادبار آیا ٭ کہ جب تعلیم قرآں کو بھلایا

پس اگر ہم موجودہ مصائب و آلام سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کی تعلیم کو اپنائیں۔ اس کے احکام کے مطابق عمل کریں اور اس کی ہدایات کے پابند ہوں۔

قرآن کریم کی تعلیم ہماری حاجات کے عین مطابق ہے۔ ہماری ہر ضرورت کے متعلق اس میں قانون موجود ہے۔ جب بھی ہم اس سے روگردانی کریں گے۔ ہم ہلاکت کی راہوں پر گامزن ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ تحریر فرماتے ہیں :-

مَنْ تَرَكَ الْقُرْآنَ وَاتَّبَعَ قِيَاساً فَهُوَ كَرَجُلٍ اخْتُرِسَ اِخْتِرَاساً
وَوَقَعَ فِي الْوِهَادِ الْمُهْلِكَةِ وَهَلَكَ وَفَنِيَ (التبليغ)

یعنی جس شخص نے قرآن کریم کو ترک کرکے قیاس کی پیروی کی اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کی عقل پر پردہ پڑ گیا۔ اور وہ ہلاک ہو گیا۔

نیز فرماتے ہیں :- ؎

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب ٭ نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

اس نورانی کتاب سے ایک قدم بھی دور رہنا ہمارے نزدیک کفر و زیان و ہلاکت ہے۔

پھر ہمارے قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے کا صرف ہم پر ہی برا اثر نہیں پڑے گا بلکہ ہماری آئندہ نسل بھی اس سے متاثر ہو گی وہ فسق و الحاد کا شکار ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً بتایا گیا کہ

[illegible]

يُمِيْدُوْنَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَا يَعْبُدُوْنَنِي شَيْئًا۔"

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی)

جو شخص قرآن سے کنارہ کرے گا۔ہم اس کو ایک خبیث اولاد کے ساتھ مبتلا کریں گے جن کی ملحدانہ زندگی ہوگی وہ دنیا پر گریں گے اور میری پرستش سے ان کو کچھ بھی حصہ نہ ہوگا۔یعنی ایسی اولاد کا انجام بد ہوگا اور توبہ اور تقوے نصیب نہیں ہوگا۔اور آج پاکستانی قوم کی نئی پود کے ایک حصہ کا جو حال ہے وہ اس الہام کی زندہ تصویر ہے۔

قرآن کریم پر عمل کرنے کی وجہ سے اندرونی فتنے بھی ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ قرآن کریم نیک اخلاق کے پیدا کرنے کے لئے ایک طاقت پیدا کرتا ہے وہ شوریدگی اور امارگی نفس کو کم کرتا ہے وہ معصیت اور فسق و فجور سے اور جہالت کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔وہ مذموم عادات خیالات اخلاق اور افعال سے محفوظ رکھتا ہے۔اس کے متبعین پر اخلاقِ فاضلہ الٰہیہ منعکس ہوتے ہیں اور وہ فتنہ و فساد پیدا کرنے والے اعمال اور افراط و تفریط سے بچائے جاتے ہیں۔قرآن کریم باریک سے باریک گناہوں پر بھی اطلاع دیتا ہے اور تقوے کے اعلیٰ مدارج تک پہنچاتا ہے۔مسلمان اگر سچے دل سے قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے لگ جائیں تو اسلامی دنیا امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الْاَمْنَ فِی اِتِّبَاعِ الْقُرْاٰنِ وَالتَّبَابَ كُلَّ التَّبَابِ فِیْ تَرْكِ الْقُرْاٰنِ
وَلَا مُصِيْبَةَ كَمُصِيْبَةِ الْاِعْرَاضِ عَنْ كِتَابِ اللّٰهِ عِنْدَ ذَوِى الْعَيْنَيْنِ
فَاذْكُرُوْا عَظَمَةَ هٰذَا الرُّزْءِ (سرّ الخلافہ)

امن صرف قرآن کریم کی پیروی میں ہے اور اس کے چھوڑنے میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے اور صاحبِ نظر لوگوں کے نزدیک کتاب اللہ سے اعراض سے بڑی اور کوئی مصیبت نہیں۔ پس تم اس مصیبت کی عظمت کو یاد کرو۔

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا:۔

"یہ لڑائیاں اور فتنے و فسادات سوائے قرآن کریم کی تعلیم کو دنیا میں پھیلانے کے دور نہیں ہو سکتے۔قرآن پڑھو کا صرف یہی مطلب نہیں کہ قرآن کریم کھول کر تلاوت کی جائے بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا جائے اور اس کے حکمت بھرے احکام کی تمام دنیا میں اشاعت کی جائے۔کیونکہ یہ آگیں اس وقت تک بجھ نہیں سکتیں

جب تک ان کے فطرتوں کے اندر تبدیلی پیدا نہ ہو جائے اور بنی نوع انسان کی صحیح معنوں میں اصلاح نہ ہو جائے اور ان کی فطرتوں کے اندر نرم دلی اور رحم دلی نہ پیدا ہو جائے ... میں اپنی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ قرآن پڑھو اور پھیلاؤ تاکہ خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں سے بغض اور کینے نکال دے اور پھر دنیا میں ایک نیک اور صالح جماعت پیدا ہو جائے جیسے انبیاء کی جماعتیں ہوتی ہیں۔" (الفضل ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء)

جماعت احمدیہ اس مامور من اللہ کی جماعت ہے جس نے اپنی بعثت کی غرض ہی یہ بتائی تھی کہ "خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ تا میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" (الفضل ۳۱ر مئی ۱۹۰۸ء)

نیز اس نے بتایا تھا کہ :-

"مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن کریم کی سچائیوں کو دنیا کو دکھا دوں۔" (الحکم ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء)

اس لئے اس کے ہر فرد کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ پہلے قرآن کریم کے نور سے خود منور ہو۔ اس کے حقائق و معارف سے واقف ہو اس کی تعلیم کو اپنی ذات اور اپنے ماحول میں جاری کرے اور پھر اس کو تمام دنیا میں پھیلائے تا لوگ اس تعلیم پر عمل کرکے اپنے حالات کو سدھاریں۔ اپنے اخلاق کو درست کریں۔ فتنہ و فساد پھیلانے کی بجائے وہ اصلاح کے علم بردار بنیں۔ وہ شیطان کے غلام بننے کی بجائے خدائے واحد کے حقیقی عبد بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے موجودہ امام نے تعلیم اور اشاعتِ قرآن پر بہت زور دیا ہے اور فرمایا ہے :

"آپ کا فرض ہے کہ قرآن کریم کی اور اسلام کی دنیا میں عزت قائم کریں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے والے ہوں۔ لیکن یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا جب تک کہ قرآنِ پاک کا علم آپ کو حاصل نہ ہو جب تک کہ آپ اس کو کماحقہ سمجھنے والے نہ ہوں اور جب تک کہ ہمیشہ اس کے متعلق غور و فکر کرنے والے نہ ہوں ......

اگر آپ نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرنا ہے۔ اور اگر آپ نے اس غرض کو جس کے لئے یہ جماعت قائم کی گئی ہے حاصل کرنا ہے تو ضروری ہے کہ آپ قرآن سے پیار کرنے والے ہوں۔ اس طرح کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرنے والے ہوں قرآن کریم

کی عزت کرنے والے ہوں۔ قرآن کریم کے نور سے خود بھی منور ہوں اور پھر اس کی دنیا میں اشاعت بھی کریں۔" (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۶۶ء)

نیز فرمایا:

"ہم پر واجب ہے کہ ہر احمدی مرد اور ہر احمدی عورت ہر احمدی بچہ ہر احمدی جوان اور ہر احمدی بوڑھا پلٹے اپنے دل کو نورِ قرآن سے منور کرے۔ قرآن سیکھے۔ قرآن پڑھے اور قرآن کے معارف سے اپنا سینہ و دل بھر لے اور معمور کرے۔ ایک نورِ مجسم بن جائے قرآن کریم پر ایسا محو ہو جائے قرآن کریم میں ایسا گم ہو جائے۔ قرآن کریم میں ایسا فنا ہو جائے کہ دیکھنے والوں کو اس کے وجود میں قرآن کریم کا ہی نور نظر آئے۔ اور پھر ایک معلّم اور استاد کی حیثیت سے تمام دنیا کے سینوں کو انوارِ قرآنی سے منور کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو جائے۔" (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۶۶ء)

انصار اللہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے پیارے امام کے مندرجہ بالا ارشادات پر عمل پیرا ہو کر قرآنی علوم زیادہ سے زیادہ سیکھنے کی کوشش کریں۔ وہ اس کے نور سے منور ہوں اور پھر اس کی اشاعت پر کمربستہ ہو جائیں۔ نیز اپنے ماحول میں بھی اس احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کریں کہ ہماری تمام مشکلات کا حل قرآن کریم میں ہے۔ ہماری ترقی قرآن کریم سے وابستہ ہے۔ ہماری آئندہ نسلوں کی اصلاح بھی تبھی ہوگی جب ہم خود حقیقی طور پر عامل بالقرآن بن جائیں۔

اللہ تعالےٰ کرے کہ ہم ان ذمہ داریوں کو پوری طرح نباہنے والے ہوں جو مامور زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت اور آپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ وہ ہمیں محض اپنے فضل سے زیادہ سے زیادہ قرآنی علوم عطا کرتا چلا جائے اور ساتھ ہی توفیق بھی دیتا چلا جائے کہ ہم قرآنی احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے ہوں۔ آمین۔

فلاح و نجات کا سرچشمہ

"تمہاری فلاح و نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن کریم میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔" (کشتی نوح)

(کلماتِ طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

مَیں اس زمانہ کا حصنِ حصین ہوں جو مجھ میں داخل ہوگا محفوظ و مصئون رہیگا

حقیقی بینائی ڈھونڈو اور دلوں سے دنیا کے بُت باہر پھینک دو کوشش کرو کہ تکبر کا کوئی حصہ تم میں نہ رہے تا ہلاکت سے بچائے جاؤ

(۱) "تم اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درختِ وجود کی سرسبز شاخو! جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی اپنا آرام اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو.... (سنو) میرا دوست کون ہے اور میرا عزیز کون ہے؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے، مجھے کون پہچانتا ہے؟ صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ مَیں بھیجا گیا ہوں اور مجھے اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ مَیں دنیا میں سے نہیں ہوں مگر جن کی فطرت کو اُس عالم سے حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے مَیں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس کی روشنی سے حصہ لے گا۔ مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دُور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائیگا۔ اس زمانہ کا حصنِ حصین مَیں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا مگر جو شخص میری دیواروں سے دُور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔

مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا ہے اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندہ مطیع بن جاتا ہے ہر ایک جو

ایسا کرتا ہے تو وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔" (فتح اسلام صفحہ ۵۰، ۵۱)

(۲) "میں اپنے ساتھ ان لوگوں کو کیا سمجھوں جن کے دل میرے ساتھ نہیں جو اس کو نہیں پہچانتے جس کو میں نے پہچانا ہے اور نہ اس کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاتے ہیں اور نہ ٹھٹھوں اور ہنسی اور لہو و لعب کے وقت خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور کبھی نہیں سوچتے کہ ہم ایک زہر کھا رہے ہیں جس کا بالضرور نتیجہ موت ہے درحقیقت وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں ... میں بار بار کہتا ہوں کہ آنکھوں کو پاک کرو اور انکو روحانیت کے نور سے ایسا ہی روشن کرو جیسا کہ وہ ظاہری طور پر روشن ہیں۔ ظاہری رویت تو حیوانات میں بھی موجود ہے۔ مگر انسان اس وقت سوجاکھا کہلاتا ہے جبکہ باطنی رویت یعنی نیک و بد کی شناخت کا اس کو حصہ ملے۔ اور پھر نیکی کی طرف جھک جائے۔ سو تم اپنی آنکھوں کے لئے صرف چارپایوں کی بینائی نہیں بلکہ حقیقی بینائی ڈھونڈو اور اپنے دلوں سے دنیا کے بت باہر پھینکو کہ دنیا دین کی مخالف ہے جلد مروگے اور دیکھو گے کہ نجات انہیں کو ہے جو دنیا کے جذبات سے بیزار اور بری اور صاف دل تھے ... مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھا لیتے اور رسول کریمؐ کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔ مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات تیار کی گئی ہے۔"

(اشتہار التوائے جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۳ء)

(۳) "میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے مگر شاید تم نہیں سمجھو گے کہ تکبر کیا چیز ہے بس مجھ سے سمجھ لو کہ میں خدا کی روح سے

بولتا ہوں۔ ہر ایک شخص جو اپنے بھائی کو اس لئے حقیر جانتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ عالم یا زیادہ عقلمند یا زیادہ ہنرمند ہے وہ متکبّر ہے کیونکہ وہ خدا کو سرچشمۂ عقل اور علم کا نہیں سمجھتا اور اپنے تئیں کچھ چیز قرار دیتا ہے۔ کیا خدا قادر نہیں کہ اس کو دیوانہ کر دے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ چھوٹا سمجھتا ہے اس سے بہتر عقل اور علم اور ہنر دے دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنے کسی مال یا جاہ و حشمت کا تصوّر کر کے اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہے وہ بھی متکبّر ہے کیونکہ وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ یہ جاہ و حشمت خدا نے ہی اس کو دی تھی اور وہ اندھا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ وہ خدا قادر ہے کہ اس پر ایک ایسی گردش نازل کرے کہ وہ ایک دم میں اسفل السافلین میں جا پڑے اور اس کے اس بھائی کو جس کو وہ حقیر سمجھتا ہے اس سے بہتر مال و دولت عطا کر دے۔ ایسا ہی وہ شخص جو اپنی صحت بدنی پر غرور کرتا ہے یا اپنے حسن اور جمال اور قوت اور طاقت پر نازاں ہے اور اپنے بھائی کا ٹھٹھے اور استہزاء سے حقارت آمیز نام رکھتا ہے اور اس کے بدنی عیوب لوگوں کو سناتا ہے وہ بھی متکبّر ہے اور وہ اس خدا سے بے خبر ہے کہ ایک دم میں اس پر ایسے بدنی عیوب نازل کرے کہ اس بھائی سے اس کو بدتر کر دے اور وہ جس کی تحقیر کی گئی ہے ایک مدت دراز تک اس کے قویٰ میں برکت دے کہ وہ کم نہ ہوں اور نہ باطل ہوں کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو اپنی طاقتوں پر بھروسہ کر کے دعا مانگنے میں سُست ہے وہ بھی متکبّر ہے کیونکہ قوتوں اور قدرتوں کے سرچشمہ کو اس نے شناخت نہیں کیا اور اپنے تئیں کچھ چیز سمجھا ہے۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا تعالیٰ کی نظر میں متکبّر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو ایک شخص جو اپنے ایک بھائی کے ایک غلط لفظ کی تکبّر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبّر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے سننا نہیں چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو دعا کرنیوالے کو ٹھٹھے اور ہنسی سے دیکھتا ہے اس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے اور وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی پورے طور پر اطاعت کرنا نہیں چاہتا اس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے اور جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبّر سے ایک حصہ لیا ہے۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبّر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ۔ خدا کی طرف جھکو اور جس قدر دنیا میں کسی سے محبت ممکن ہے تم اس سے کرو اور جس قدر دنیا میں کسی سے انسان ڈر سکتا ہے تم اپنے خدا سے ڈرو پاک دل ہو جاؤ اور پاک ارادہ اور غریب اور مسکین اور بے شر تا تم پر رحم ہو"

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَرِثْنَا الْمَجْدَ مِنْ ذِي الْمَجْدِ حَقًّا

(ہم نے بزرگی کو خدائے ذی المجد سے پایا۔)

هَوِيْتُ الْحِبَّ حَتّٰى صَارَ رُوْحِيْ ‏ وَأَرَانِيْ جِنَانِيْ فِيْ جَنَانِيْ

میں نے اس پیارے سے محبت کی یہاں تک کہ وہ میری جان ہو گیا ‏ اور میرا بہشت اس نے میرے دل میں ہی دکھا دیا

بِوَجْهِ الْحِبِّ لَسْتُ حَرِيْصَ مُلْكٍ ‏ كَفَانِيْ مَا أَرٰى نَفْسِيْ كَفَانٍ

اس پیارے کی قسم ہے کہ میں کسی ملک کا حریص نہیں ‏ اور یہ میرے لئے کافی ہے کہ میں اپنے نفس کو فنا کی حالت میں دیکھتا ہوں

عَمُوْدُ الْخَشَبِ لَا اَبْغِيْ لِسَقْفِيْ ‏ وَحِبِّيْ صَارَ لِيْ مِثْلَ الْبُوَانِ

میں لکڑی کے ستون اپنے چھت کے لئے نہیں چاہتا۔ ‏ اور میرا پیارا میرے لئے ایسا ہو گیا جیسا کہ ستون

وَرِثْنَا الْمَجْدَ مِنْ ذِي الْمَجْدِ حَقًّا ‏ وَصُبِّغْنَا بِمَحْبُوْبٍ مُقَارِنٍ

ہم نے بزرگی کو خدائے ذی المجد سے پایا۔ ‏ اور اس ملنے والے پیارے کے رنگ میں ہم رنگے گئے۔

دَخَلْتُ النَّارَ حَتّٰى صِرْتُ نَارًا ‏ وَنَخْلِيْ فَاقَ أَفْكَارَ الْأَفَانِيْ

میں آگ میں داخل ہوا یہاں تک کہ میں آگ میں داخل ہو گیا ‏ اور میری کھجور گھاس پات کے فکروں سے بہت بلند بڑھ گئی

خُمُوْرِيْ مُنْتَقَاةٌ غَيْرَ كَدْرٍ ‏ مُشَعْشَعَةٌ بِمَاءِ الْاِقْتِرَانِ

اور میری شراب ایک چنی ہوئی شراب اور مصفا ہے ‏ جس میں الٰہی محبت کا پانی ملایا گیا ہے۔

وَلَسْتُ مُوَارِيًا عَنْ عَيْنِ رَبِّيْ ‏ وَإِنَّ اللّٰهَ خَلَّاقِيْ يَرَانِيْ

اور میں اپنے رب کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہوں ‏ اور خدا جو میرا پروردگار ہے مجھے دیکھ رہا ہے۔

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

محبت مے کشد با جذبِ روحانی محبت را

(جذبِ روحانی کی وجہ سے ایک محبت دوسری محبت کو کھینچتی ہے)

تو اے دانا بترس از آنکہ سوئے او بخواہی رفت بدنیا دل چہ مے بندی چہ دانی وقتِ رحلت را

اے دانا تو اس خدا سے ڈر جس کی طرف تجھے جانا ہے۔ دنیا سے کیا دل لگاتا ہے کیا تو موت کا وقت جانتا ہے۔

مشو از بہرِ دنیا سرکشِ فرمانِ احدیت مخر از بہرِ روزے چند اے مسکیں تو شقوت را

دنیا کی خاطر خدائے واحد کے حکم سے سرتابی نہ کر۔ اے مسکیں تو چند روز کے مزے کے لئے بدبختی نہ خرید۔

اگر خواہی کہ یابی در دو عالم جاہ و دولت را خدا را باش و از دل پیشۂ خود گیر طاعت را

اگر تو چاہتا ہے کہ دونوں جہاں میں عزت اور دولت حاصل کرے تو خدا کا ہو جا اور دل سے اسکی فرمانبرداری اختیار کر

غلامِ درگہش باش و بعالم بادشاہی کن نباشد بیم از غیرے پرستارانِ حضرت را

اس کی درگاہ کا غلام بن اور دنیا پر حکومت کر کہ خدا پرستوں کو اس کے غیر سے خوف نہیں ہوتا۔

تو از دل سوئے یارِ خود بیا تا نیز یار آید محبت مے کشد با جذبِ روحانی محبت را

تو دل سے اپنے یار کی طرف آجا کہ پھر وہ بھی تیری طرف آئے کیونکہ جذب روحانی کی وجہ سے ایک محبت دوسری محبت کو کھینچتی ہے

خدا در نصرت آنکس بود کو ناصرِ دین است ہمیں افتاد آئیں از ازل درگاہِ عزت را

خدا اس کی مدد میں لگا رہتا ہے جو اس کے دین کا ناصر ہو۔ ہمیشہ سے درگاہِ رب العزت کا یہی قانون ہے۔

ہر آں کو یابد از درگاہ از خدمت ہمی یابد کہ غفلت را سزائے ہست و اجرے ہست خدمت را

جو شخص بھی اس کی درگاہ سے کچھ پاتا ہے • خدمت سے پاتا ہے کیونکہ ہر غفلت کے لئے سزا ہے اور ہر خدمت کیلئے جزا ہے

جس بدی کا ذکر عام طور پر قوم کی زبان پر ہو تو وہ بدی قوم میں پھیل جاتی ہے

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نیکی دیکھو تو اسے خوب پھیلاؤ، بدی دیکھو تو اس پر پردہ ڈالو

(از حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ آیت قرآنیہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ الخ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت میں خدا تعالیٰ نے علم النفس کا ایک ایسا نکتہ بیان کیا ہے جو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے کیونکہ علم النفس کی تحقیق پہلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ یہ تحقیق انیسویں صدی میں شروع ہوئی اب بیسویں صدی میں اس نے ایک علم کی صورت اختیار کی ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن کریم نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بُری باتوں کا مجالس میں تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ وہی برائیاں لوگوں میں کثرت کے ساتھ پھیل جائیں گی۔ بے شک دنیا میں لوگ کثرت سے ڈاکہ اور چوری وغیرہ بُرے افعال سے نفرت کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا ذکر لوگوں میں کثرت سے ہونے لگے تو تھوڑے دنوں میں تم دیکھو گے کہ ڈاکہ کی وارداتیں زیادہ ہونے لگی ہیں۔ جیسے گجرات، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ اضلاع میں کئی بڑے بڑے شریف نمازی اور تہجد گزار کہلانے والے دوسرے کی بھینسیں کھول کر گھر لے آئیں گے اور اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں کریں گے کہ انہوں نے کوئی بُرا کام کیا ہے ...... غرض جب اشاعت فحش ہو اور بدی کا ذکر عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہو تو وہ بدی قوم میں پھیل جاتی ہے اسی لئے ہماری شریعت نے عیوب کا عام تذکرہ ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اولی الامر ہیں ان تک بات پہنچا دو اور خود خاموش رہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور ہر شخص کو یہ اجازت ہو کہ وہ دوسرے کا جو عیب بھی سنے اسے بیان کرتا پھرے تو اس کے نتیجہ میں قلوب میں بدی کا احساس مٹ جاتا ہے اور برائی پر دلیری پیدا ہو جاتی ہے پس اسلام

نے بدی کی اس جڑ کو مٹا دیا اور حکم دیا کہ تمہیں جب کوئی بُرائی معلوم ہو تو اولی الامر کے پاس معاملہ پہنچاؤ جو سزا دینے کا اختیار بھی رکھتے ہیں اور تربیتِ نفوس اور اصلاحِ قلوب کے لئے اَور تدابیر بھی اختیار کر سکتے ہیں اس طرح بدی کی تشہیر نہیں ہوگی۔ قوم کا کیریکٹر محفوظ رہے گا اور لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائیگی پس یاد رکھو کہ نیکی کی تشہیر اور بدی کا اخفاء یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ قومیں اسی سے بنتی اور قومیں اس کی خلاف ورزی سے بگڑتی ہیں۔ جتنا تم اس بات کا زیادہ ذکر کرو گے کہ فلاں اتنی قربانی کرتا ہے۔ فلاں اس طرح نمازیں پڑھتا ہے۔ فلاں اس اہتمام سے روزے رکھتا ہے۔ اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں دین کے لئے قربانی کرنے اور نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کی خواہش پیدا ہو گی اور جتنی تم اس بات کو شہرت دو گے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں وہ خیانت کرتے ہیں۔ وہ چوری کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں۔ اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں ان بدیوں کی طرف رغبت پیدا ہو گی۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم کسی کی نیکی دیکھو تو اسے خوب پھیلاؤ اور جب کسی کی بدی دیکھو اس پر پردہ ڈالو۔ ایک بلی بھی جب پاخانہ کرتی ہے تو اس پر مٹی ڈال دیتی ہے۔ پھر انسان کے لئے کس قدر ضروری ہے کہ وہ بدی کی تشہیر نہ کرے بلکہ اس پر پردہ ڈالے اور اس کے ذکر سے اپنے آپ کو روکے۔ اگر اس ذکر سے اپنے آپ کو نہیں روکا جائے گا تو متعدی امراض کی طرح وہ بدی قوم کے دوسرے افراد میں بھی سرایت کر جائے گی۔ اور خود اس کا خاندان تو لازماً اس میں مبتلا ہو جائیگا۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو چیز کثرت سے اس کے سامنے آئے وہ اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اور جس بات کے متعلق یہ عام چرچا ہو کہ لوگ کثرت سے کرتے ہیں وہ بالکل معمولی سمجھی جاتی ہے۔ اس اصول کے ماتحت جو بات لوگوں میں عام طور پر پھیلائی جائے اس کا لوگوں پر یہ اثر پڑتا ہے کہ معمولی بات ہے اور جب اس قسم کے الزام کثرت سے لگائے جائیں اور لوگ ان کے پھیلانے میں کسی کی عزت کی پرواہ نہ کریں تو لازماً وہ ان باتوں کو معمولی سمجھیں گے اور جب معمولی سمجھیں گے تو ان کا ارتکاب بھی ان کے لئے معمولی بات ہوگی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے اور اس قسم کی افواہوں کو نہیں روکو گے تو تمہاری قوم ان کو معمولی سمجھنے لگے گی اور جب معمولی سمجھے گی تو اس کا ارتکاب بھی کثرت سے کرے گی۔ اس لئے ایسی باتوں کو پھیلنے ہی نہ دو اسی نکتہ کی طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ یعنی جس شخص نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم تباہ ہو گئی۔ وہ اپنی قوم کو تباہ کرنے والا ہے ۔ ۔ ۔ ۔

غرض اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قوم کی اصلاح کا یہ ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جس فعل کو روکنا چاہو تم اس کی تشہیر کو روکو اور قوم کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی خصوصیت ہے کہ وہ ہر بدی کی جڑ کو پکڑتا ہے اور اسے اکھیڑتا ہے اسی کے مطابق قرآن کریم بتاتا ہے کہ جس بدی کو تم روکنا چاہو اسکے اتہام کو روکو اور اسی کا الٹ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جس نیکی کو قائم کرنا چاہو اسکی عظمت اور اہمیت کو پھیلاؤ مثلاً نماز ہے اسکے متعلق کہا جائے کہ ایسے اہم فریضہ کو کون چھوڑ سکتا ہے ؟ یا چوری ہے اس کے متعلق کہا جائے کہ کیا اتنا بڑا گناہ کوئی کرسکتا ہے ؟ اس قسم کی باتیں جس شخص کے کان میں پڑیں گی ۔ وہ ان کو بہت اہم سمجھے گا اور ان کے متعلق احتیاط سے کام لے گا ۔ تم اپنے اندر اس کے مطابق تغیر کرکے دیکھو تو تین چار سال بعد تمہیں اپنے اندر بہت بڑا فرق نظر آئے گا ۔ اور تمہیں محسوس ہوگا کہ افراد جماعت میں پہلے سے زیادہ بیداری پائی جاتی ہے ۔ پہلے سے زیادہ ان میں نیکیوں کو اختیار کرنے اور بدیوں سے بچنے کا جذبہ پایا جاتا ہے اور پہلے سے زیادہ ان کے اخلاص اور ایمان میں ترقی ہوگئی ہے ۔ جماعتی چندوں کو ہی دیکھ لو ۔ اگر عام طور پر ذکر ہو کہ لوگ چندہ نہیں دیتے تو یہ معمولی بات سمجھی جائے گی ۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ کوئی شاذ ہی ہوگا جو چندہ نہ دیتا ہو تو ہر ایک کو اس کی اہمیت کا احساس ہوگا ۔ اور وہ چندہ میں کمزوری نہیں دکھائے گا ۔

اسی طرح یہ گر سب نقائص اور کمزوریوں پر حاوی ہے اور تمام خرابیوں کی اس کے ذریعہ اصلاح ہوسکتی ہے ۔ تم جس فعل کو روکنا چاہو اس کے اتہام کو روکو اور اس کے الٹ جس نیکی کو قائم کرنا چاہو اس کو پھیلاؤ اور اسے اہمیت دو ۔" (تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اول ص۲۷۹ تا ۲۸۰)

"اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنایا ہے کہ انسان کے قلب سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں کہ جو ارد گرد بیٹھنے والوں پر اثر کرتی ہیں ۔ اسی لئے قرآن کریم کہتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تم صادق اور راستباز لوگوں کی صحبت میں رہا کرو اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نماز باجماعت مقرر کی ہے ، تا دلی اثرات ایک دوسرے پر پڑیں ۔ یوں تو نیک کے بھی اثرات ہوتے ہیں اور بد کے بھی اثرات ہوتے ہیں ۔ مگر جب قوم میں نیکی ہوتی ہے تو نیک اثرات کا غلبہ ہوتا ہے ۔ گو بدی میں چونکہ اتنا جوش نہیں ہوتا جتنا نیکی میں ہوتا ہے جو زمانہ انبیاء و ماموریں میں ہوتی ہے ۔ اس لئے جتنا وہ نیکی اپنے اثر کو پھیلاتی ہے ، بدی اپنا اثر نہیں پھیلا سکتی ۔ لیکن پھر بھی اس کا اثر ضرور ہوتا ہے ۔"

(خالد دسمبر ۱۹۶۶ء)

یتیم پروری کی اہمیّت

اور اس سے متعلق اسلامی تعلیم

سلطان احمد پیر کوٹی نائب مدیر

دنیا کے مظلوم طبقوں میں سے ایک طبقہ یتامیٰ کا بھی ہے۔ اس طبقہ پر ہر قسم کے ظلم روا رکھے جاتے ہیں۔ ماں باپ زندہ ہوتے ہیں تو ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کئی لوگ ان کی خوشامد کرتے ہیں ان کی دوستی اختیار کرتے ہیں۔ ان کا اکرام و احترام کرتے ہیں۔ مگر جب وہ مر جاتے ہیں تو یہ سب تعلقاتِ محبت یکدم ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی اولاد جو اب لاوارث رہ جاتی ہے اس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا وہ دربدر ٹھوکریں کھاتی ہے۔

وقتی طور پر جب تک صدمہ کا اثر تازہ ہوتا ہے اقرباء اور متعلقین پر ایک حد تک یہ اثر ہوتا ہے کہ مرنے والے کی بیوہ اور اولاد کا خیال رکھا جائے اور وہ ایک حد تک ان کے لئے قربانی کرنے کے لئے تیار بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے یہ اثر ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یتامیٰ کی پرورش کی غرض سے بیوہ سے شادی کر لی جاتی ہے۔ اور بیوہ بھی سمجھتی ہے کہ اس طرح اسکے یتیم بچوں کی پرورش ہو جائے گی۔ مگر چند مہینوں اور بعض اوقات چند دنوں کے بعد ہی سوتیلا باپ یتیم بچوں کو دھتکارنے لگ جاتا ہے۔ انہیں ٹھوکریں مارتا ہے اور اپنے اوپر بوجھ سمجھتا ہے اور اس طرح ایک طرف وہ بچوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے تو دوسری طرف ان کی ماں کو بھی ذہنی کوفت اور اذیت دیتا ہے۔ بعض یتیم ایسے ہوتے ہیں جن کا والد ان کے لئے بڑی جائداد یا نقدی چھوڑ جاتا ہے۔ اس جائداد اور نقدی پر قبضہ کرنے کے لئے رشتہ داروں میں دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ کہیں یتامیٰ کی پرورش کا بہانہ بنا کر بیوہ سے شادی کر لی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اس پر اثر انداز ہو کر بچوں کی جائداد اور اموال کو ہضم کر لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات جائداد اور اموال پر قبضہ کرنے کے لئے یتیم بچوں کے قتل کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ عدالتوں میں مقدمات دائر کرکے انہیں محروم الارث بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور روپیہ پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر ان کی جائداد اور اموال پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔

اس طرح جو یتیم بچے اپنے والد کی چھوڑی ہوئی جائداد اور دولت کے سہارے پرورش پا سکتے تھے انہیں اس
سہارے سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ یتامیٰ کو کمائی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ مثلاً وہ بعض ایسے ادارے کھول لیتے ہیں جن میں بظاہر
یتیموں کی پرورش کی جاتی ہے اور پھر ان کے نام پر آنے والے صدقات اور عطیات سے خود فائدہ اٹھاتے
ہیں بعض ادارے تو بچوں کو بھیک مانگنے پر مجبور کرتے ہیں اور خیرات کی صورت میں اکٹھی کی ہوئی رقم کو بعد
میں اپنے تصرف میں لے آتے ہیں۔ عام حالات میں بھی یتیم بچوں سے ان کے لاوارث ہونے کی وجہ سے
حقارت اور ذلت کا سلوک کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بگڑ جاتے ہیں اور اسی طرح قوم کی یہ دولت تباہ
ہو جاتی ہے۔

دنیا میں انسان ان واقعات کو دیکھتا ہے تو اس کا دل کانپ اٹھتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں مر گیا
تو میرے بچوں کے ساتھ بھی یہ سلوک ہوگا۔ میرے بچے بھی بھیک مانگنے اور در بدر ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہونگے
انہیں لوگ بات بات پر ٹھوکریں ماریں گے۔ وہ روئیں گے چیخیں گے۔ مگر ان کی یہ آہ و زاری کسی کے دل پر اثر نہ
کریگی۔ یہ خیال آنے پر جہاں وہ ذہنی طور پر پریشان ہوتا ہے وہاں وہ قومی اور ملکی خدمات سے بھی جی چراتا ہے
اگر ہمارا قومی کیریکٹر اس حد تک ترقی کر جائے کہ جب کوئی شخص مرے تو اس کے بچوں کے متعلق ساری قوم میں ایک
زبردست جذبۂ اخوت و ہمدردی پیدا ہو جائے اور ہر شخص یہ چاہے کہ ان بچوں کو اس کے سپرد کر دیا جائے
اور وہ ان کی پرورش کرے تو موت کا ڈر قوم کے ہر فرد کے دل سے نکل جاتا ہے اور وہ قوم و ملک کے لئے
ہر ممکن قربانی پیش کرنے کے لئے آمادہ و تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ اگر وہ ان خدمات کی بجا آوری
کے دوران مر بھی گیا تو اس کے بچے قوم کے پاس امانت ہوں گے۔ وہ ان کی ہر طرح نگہداشت کرے گی۔ ان
سے حسن سلوک کریگی اور اپنے بچے سمجھ کر ان کی ضروریات کو پورا کرے گی۔ وہ فاقہ مستی کی وجہ سے بھیک مانگنے
پر مجبور نہیں ہوں گے۔ وہ در بدر ٹھوکریں نہیں کھائیں گے وہ عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔

غرض یتامیٰ کی نگہداشت اور پرورش کا احساس قوم کے اندر پیدا ہو جاتے۔ اسے اس طرف توجہ
پیدا ہو اور ہر فرد قوم کے اندر یتامیٰ کے بارہ میں جذبۂ اخوت و ہمدردی بیدار ہو جائے تو قوم کا ہر فرد قوم
اور ملک کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرنے پر تیار ہو جائے اور قوم ترقی کی منازل طے کرتی چلی جائے لیکن اگر
قوم میں یہ احساس پیدا نہ ہو بلکہ اس کا نمونہ اس کے برعکس ہو تو کون شخص ہے جو مرنے پر تیار ہو۔ اس صورت
میں ہر شخص جانی قربانی پیش کرنے سے ڈرے گا۔ کیونکہ وہ سمجھے گا کہ میری موت میرے بچوں کی موت ہے
میری موت میری بیوی اور دوسرے زیر کفالت افراد خاندان کی موت ہے۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ

تحریر فرماتے ہیں :-

"جب کسی قوم میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ وہ یتامیٰ اور مساکین کی خبر گیری کرنے لگ جائے ان کا احترام ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے ان کی پرورش میں انہیں سکون اور راحت ہو اور وہ یتیموں کو ایسا ہی سمجھیں جیسے ان کے اپنے بچے ہیں تو اس وقت ایمان کے بغیر بھی وہ قوم بہادر بن جاتی ہے اور جب اس کے ساتھ ہی کو حیات بعد الموت پر ایمان بھی ہو اور زندہ خدا پر توکل ہو تو پھر تو یہ دو چیزیں مل کر اس کے دل کو ایسا مضبوط بنا دیتی ہیں کہ موت کا ڈر اس کے قریب بھی نہیں آتا۔ یورپین قوموں میں اگر ہمیں دلیری نظر آتی ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نوجوانوں کے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اگر ہم مر گئے تو ہماری قوم یتامیٰ و بیوگان کی خبر گیری کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے والا موت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ جاتا ہے اور اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے"

(تفسیر سورۃ البقرہ)

پس قومی کیریکٹر کے لحاظ سے بھی یہ بات بہت ضروری ہے کہ یتامیٰ کی نگہداشت اور پرورش کا احساس افرادِ قوم میں پایا جائے جب کوئی شخص فوت ہو تو یہ سوال نہ ہو کہ اس کے بچوں کی پرورش کون کرے گا بلکہ ایک سے زیادہ افراد ان کی پرورش کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ان کو اپنی اولاد کی طرح سینہ سے لگائیں۔ ان سے محبت اور پیار کا سلوک کریں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو یتامےٰ کا بہت خیال تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر بیواؤں سے شادی کی اور یتامےٰ کی پرورش کی۔ آپ بازار میں تشریف لے جاتے تو یتیم بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے اور اپنی ضروریات بیان کرتے حضور ان کی ضرورت پہلے پوری کرتے۔ صحابہؓ کو بھی بیواؤں سے شادی کرنے کا بہت خیال تھا۔ ابھی کسی بیوہ کی عدت گزرتی ہی تھی کہ کوئی نہ کوئی شخص اس کے پاس پیغام شادی لے کر آجاتا تا اس کے بچے اپنے آپ کو بے سہارا نہ سمجھیں۔ وہ صحیح رنگ میں تربیت پا سکیں۔ اس زمانہ میں یتیم بچوں کی پرورش کرنے والے کو تلاش نہیں کیا جاتا تھا بلکہ لوگ خود بخود اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کر دیتے تھے لیکن آجکل یتامےٰ سے جو سلوک کیا جاتا ہے وہ بہت قابلِ فکر ہے۔ یتامےٰ کی نگہداشت اور پرورش سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس قومی ذمہ داری کو ادا کرنے سے پہلوتہی کی جاتی ہے جس کی وجہ سے قوم کا ایک حصہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔

گو یتامیٰ کی پرورش اور نگہداشت کے ...

میں بھی ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے یتامیٰ کے متعلق نہایت جامع تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو یہ حکم دیتا ہے کہ

اَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (الضحیٰ)

تم یتامیٰ سے وہ معاملہ کرو جو لَا تَقْهَرْ والا ہو۔ قہر کے لغوی معنے غلبہ اور تذلیل کے ہیں۔ گویا اس ارشادِ خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ یتامیٰ سے کبھی ایسا سلوک نہ کرو جو ان کو ذلیل کرنے والا ہو جو ان کی تحقیر کا موجب ہو بلکہ ہمیشہ ان کی فلاح وبہبود کا خیال رکھو۔ ان کا اکرام کرو ان کی ضروریات کو پورا کرو۔ ان کو ابھارنے اور ترقی دینے کی کوشش کرو۔ اس آیت سے ایک مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ یتامیٰ کی پرورش اس رنگ میں کرنی چاہیئے کہ وہ ترقی سے محروم نہ ہوں ان کے قویٰ دب نہ جائیں۔ وہ یعنی فطری استعدادوں کے مطابق کام کرنے اور ترقی کے لئے کوشش کرنے میں آزاد ہوں۔ یتیم کو دھتکارنا اور اس سے بدسلوکی کرنا قرآن کریم کے نزدیک بدترین اعمال میں سے ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو انسان کو ایمان کے دائرہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (الماعون)

یعنی اے مخاطب اگر تو نہیں جانتا کہ دین کی تکذیب کرنے والا کون ہے۔ تو میں بتاتا ہوں کہ اس میں یہ یہ علامات پائی جاتی ہیں ۱۔ وہ یتیم کو دھتکارتا ہے ۲۔ مسکین کو نہ خود کھانا کھلاتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔ گویا یتیم کو دھتکارنا انسان کو دین کا مکذب بنا دیتا ہے اور اسکو مومنین کے حلقہ سے باہر کر دیتا ہے۔ پس یتیم کی طرف توجہ نہ کرنا اور اس کو دھتکارنا ایک ایسی برائی ہے جو قوم کو تنزل کی طرف لے جاتی ہے۔ اور قوم کے افراد کو دین کی خاطر قربانی کرنے سے روکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس یتیم کی طرف توجہ دی جائے۔ تو اس سے قوم کے اندر ایثار کا مادہ بڑھ جاتا ہے اور قوم کا ہر فرد قربانی پیش کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتا ہے۔

سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ نے یتامیٰ کی پرورش کو سچے نیکوں کی ایک ضروری خصلت قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

یعنی سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے (نہ کہ ذاتی مفاد اور لالچ کی وجہ سے) قریبیوں کی اپنے مال سے مدد کرتے ہیں یتیموں کی پرورش اور تعلیم پر خرچ کرتے ہیں مسکینوں کو فاقہ سے بچاتے ہیں اور تکالیف ومصائب میں مبتلا لوگوں کو اپنے مال کے ذریعہ مدد دے کر ان کی مشقت

تکالیف کو دور کرتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یتیم پروری کی طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا ہے تم سچے مومن اسی وقت ہو سکتے ہو جب تم یتیم کی نگہداشت اور پرورش کی طرف توجہ کرو۔ اس کے بغیر تم سچے مومن نہیں کہلا سکتے۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کی طرف توجہ نہ کرنا انسان کے ظاہری حال کو بھی تباہ کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ
كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (الفجر)

یعنی جب ہم کسی انسان کو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور اس کے رزق کو تنگ کر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری بے عزتی کی۔ حالانکہ اس کی یہ بے عزتی بلاوجہ نہیں ہوتی اس کا قصور یہ ہوتا ہے کہ وہ یتیم کی عزت نہیں کرتا۔ وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دیتا اور ورثہ کا مال سب کا سب عیش میں اڑا دیتا ہے اور مال سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے کہ میں جب کسی کو مال دیتا ہوں تو اس لئے نہیں دیتا کہ وہ اسے اپنا ذاتی حق سمجھ کر اپنے ذاتی استعمال میں لائے بلکہ مال اس کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ غریبوں پر خرچ کرے یتیم پروری کرے۔ بھوکوں کو کھانا کھلائے۔ ننگوں کو لباس مہیا کرے اور جب کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو میں اس کے اموال چھین لیتا ہوں۔ پس کَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ میں اللہ تعالیٰ نے یتیم پروری کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اس کام کی طرف عدم توجہ انسان کو تنگ دستی کی مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اس لئے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں خوشحال زندگی بسر کرے۔ اسے چاہیئے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں ان راستوں کو اختیار کرے جو خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں اور ان میں سے ایک اہم اور ضروری راستہ یتیم پروری ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اموال خرچ کرنے کے بعض راستوں کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ اگر کسی نے روحانی ترقیات حاصل کرنا ہوں تو وہ اپنے اموال کے ذریعہ فَكُّ رَقَبَةٍ غلام آزاد کرائے

أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ

وہ بھوک کے دن قریبی یتیموں اور زمین پر گرے ہوئے مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ان کی بھوک مٹانے کے سامان کرے (البلد) ان راستوں سے ہٹ کر اگر کوئی اپنے اموال کو خرچ کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا

جاہ طلبی، شہرت اور ریا کے طور پر تو ہو سکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی رضا کو جذب کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جو کام انسان کو بلندی اور رفعت کی طرف لے جاتے ہیں جن کے ذریعہ وہ روحانی ترقیات حاصل کر سکتا ہے ان میں سے ایک اہم کام یتیم پروری ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی نہ صرف خود اپنی حیات مبارکہ میں یتیم پروری کی طرف خاص توجہ دی ہے بلکہ اپنی امت کو اس نیک کام کے کرنے کے لئے بڑے زوردار الفاظ میں تحریک کی ہے۔ آپ نے اس فعل کو خدا تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کے وارث بننے کا موجب بتایا۔ نیز فرمایا کہ اس کام کو بجا لانے والا جنت میں میرا مقرب ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهُ فِي الْجَنَّةِ وَ قَرَنَ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَ الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور پھر آپ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر بتایا اس طرح۔ اب صاف ظاہر ہے کہ وہ کام جس کی وجہ سے انسان کو جنت میں رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا دائمی قرب حاصل ہوگا وہ کتنا اہم اور بابرکت ہے۔

بعض لوگ یتیم بچوں کو اپنی تربیت میں لے تو لیتے ہیں لیکن یا تو ان پر زیادہ سختی کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دبے رہتے ہیں اور اپنی استعدادات کے مطابق ترقی نہیں کر سکتے اور یا پھر ان پر ترس کھاتے ہوئے زیادہ نرمی کا سلوک کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بگڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں نہایت واضح ارشاد فرمایا ہے اور کہا ہے اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ تم وہ طریق اختیار کرو جس کی وجہ سے ان کی اصلاح ہو۔ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرو اور جہاں نرمی سے اصلاح ممکن ہو وہاں نرمی کا سلوک کرو۔ تم انہیں اپنی اولاد کی طرح ہی سمجھو۔ جیسے تم اپنی اولاد کو بعض اوقات ضرورت کی بناء پر جھڑک بھی دیتے ہو اور عام حالات میں ان میں نرمی اور شفقت کا سلوک کرتے ہو۔ اسی طرح کا سلوک یتامیٰ سے بھی روا رکھو۔

یہ سارے احکام خدا تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس لئے دیئے ہیں کہ یتامیٰ قومی امانت ہوتے ہیں اگر ان کی صحیح نگرانی کی جائے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے تو وہ قوم کے لئے مفید وجود بن جاتے ہیں اور نہ صرف انکی اپنی زندگی سنور جاتی ہے بلکہ وہ دوسروں کی زندگی کو سنوارنے والے بن جاتے ہیں اور اس پر خاص طور پر زور اس لئے دیا کہ وہ بوجہ اپنی کمزوری کے اپنے مطالبات کو خود پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کے حقوق کو بآسانی غصب کیا جا سکتا ہے۔ پھر وہ حسن سلوک اور احسان کے اس لئے بھی مستحق ہیں کہ وہ والدین کے سایۂ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی شخص

والدین کا قائمقام بن کر ان کی تربیت اور پرورش کرے ورنہ ان کے ضائع ہونے اور بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے
قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک بڑے عجیب پیرایہ میں اس نیک کام کی طرف توجہ دلائی ہے اور کہا ہے آخر تمہیں سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مر جاؤ اور تمہارے بچے یتیم رہ جائیں اور پھر وہ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ اگر تمہیں اس بات کا احساس ہو جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یتیم بچوں کو اپنا بچہ سمجھ کر انکی پرورش نہ کرو۔ چنانچہ فرمایا

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ
فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (النساء آیت ۱۰)

کیا یہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے اور اس سے ڈرتے نہیں کہ اگر وہ اپنے بعد کمزور اولاد چھوڑ گئے تو اس کا کیا بنے گا۔ ان کو دوسرے یتیم بچوں سے متعلق بھی اللہ کے ڈر سے کام لینا چاہیئے اور چاہیئے کہ صاف اور سیدھی بات کریں۔

اس آیت کریمہ کے مطابق اگر کسی شخص کے دل میں یہ ڈر اور خوف ہو کہ اگر میں مر گیا تو میرے بچوں کا کیا حال ہوگا تو وہ یتیم کو حقیر نہیں جانے گا اسے ذلیل نہیں کرے گا اسے بھیک مانگنے پر مجبور نہیں ہونے دے گا وہ اس کی زبوں حالی کو دیکھ کر گھبرائے گا اور پوری کوشش کرے گا کہ جہاں تک اس کی طاقت میں ہے وہ اس کی خدمت کرے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا میں اس طرف توجہ دلائی کہ دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے تم فریب اور جھوٹ سے کام نہ لو۔ تم نیک نیتی سے یتیم کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اور اس سے اپنے بچوں جیسا سلوک کرو اگر تم دوسرے یتیم بچوں سے فریب اور جھوٹ سے ہٹ کر سلوک کرو گے ان کی خبر گیری اور نگہداشت کرو گے تو تمہارے دل سے یہ خوف نکل جائے گا کہ تمہارے بعد بچوں کا کیا بنے گا۔ اگر اس ارشاد خداوندی پر تمام لوگ نیک نیتی سے عمل کرنے لگ جائیں تو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جائے جس میں کسی کو موت کا ڈر نہ ہو جس میں ہر شخص دین اور قوم کی خاطر انتہائی قربانی پیش کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ و تیار ہو جس میں کسی کو حقیر اور ذلیل خیال نہ کیا جائے جس میں تمام لوگ بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کریں کوئی کسی کا بدخواہ اور دشمن نہ ہو بلکہ سب ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں۔

پھر اسلام جہاں یتامیٰ کے ساتھ سلوک کرنے میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ وہاں یتامیٰ کے اموال کی حفاظت کے سلسلہ میں بھی اس نے جو تعلیم دی ہے وہ بھی دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔ قرآن کریم کہتا ہے یتامیٰ کے اموال انہیں دو۔ ان کا کھانا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ اموال ان کے اس وقت سپرد کرو جب وہ ان کو سنبھالنے کے قابل ہوں۔ جب تک یتامیٰ اس عمر کو نہیں پہنچ جاتے۔

کہ وہ اپنے اموال کی حفاظت کریں اس وقت تک ان کی حفاظت کرو اور ایسا انتظام کرو کہ وہ بڑھیں کم نہ ہوں چنانچہ فرمایا

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۳۵)

اور تم اس طریق کے سوا جو یتیم کے حق میں زیادہ اچھا ہو کبھی اور طرح یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو یہاں تک کہ وہ مضبوطی کی عمر کو نہ پہنچ جائیں اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ کیونکہ ہر عہد کی نسبت یقیناً ایک نہ ایک دن جواب طلبی ہوگی۔ گویا حکم خداوندی یہ ہے کہ یتیم کے اموال کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے کجا یہ کہ ان میں ناجائز تصرف کیا جائے۔ ان میں تصرف کا ایک ہی طریق ہے کہ انہیں اس طور پر استعمال کیا جائے کہ وہ بڑھیں اور یتیم کو فائدہ ہو۔ جب یتیم اپنی بلوغت کو پہنچ جائیں اور ان کی عقل اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ اپنے اموال کو خود سنبھال سکیں اس وقت مال ان کے سپرد کر دینا چاہیئے اور یہ بہانہ بنا کر دبا نہیں لینا چاہیئے کہ ابھی وہ کم سن ہیں کم عقل ہیں اپنے اموال سنبھال نہیں سکتے۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یتامیٰ کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرو اور یہ کام احسان سمجھ کر نہ کرو بلکہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور اسلامی نظام کا ایک حصہ ہے۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اس آیت میں اسلامی نظام کا ایک اور حکم بیان کیا گیا ہے جس میں اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز اور منفرد ہے یتیموں سے حسن سلوک کا حکم تو سب مذاہب میں ملتا ہے لیکن یہ حکم کہ ان کے اموال کی حفاظت کرو اور ان کو بڑھانے کی کوشش کرو کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔ گویا اس آیت میں ایک عام "کورٹ آف وارڈز" مقرر کیا گیا ہے یعنی نابالغوں کی جائداد کی حفاظت کرنے والا محکمہ۔ آج کل مغربی طاقتوں کے ماتحت اس حکم پر عمل ہو رہا ہے۔ مگر اس خیال کی بنیاد اسلام نے ہی آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم کی ہے۔" (تفسیر کبیر)

یتامیٰ کے اموال سے متعلق مزید احتیاطی تدابیر بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء آیت ۶-۷)

اور ناسمجھوں کو اپنے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے سہارا بنایا ہے نہ دو اور ان میں سے انہیں کھلاؤ اور انہیں پہناؤ اور انہیں مناسب اور اچھی باتیں کہو اور یتیموں کی آزمائش اس وقت تک کرو کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں کرتے رہو۔ پھر اگر تم ان میں سمجھ کے آثار دیکھو تو ان کا مال انہیں واپس دے دو

مزید فرمایا:۔

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔

یعنی جب تم انہیں ان کے مال واپس دو تو ان پر ان کے روبرو گواہ مقرر کرلو اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے اکیلا کافی ہے۔ اور یہ احتیاطی تدبیر ہے تا آئندہ کبھی کوئی تنازعہ پیدا نہ ہو۔

اب ایک اور پہلو باقی رہ گیا تھا کہ یتیم کا کفیل اپنا وقت بھی خرچ کرتا ہے اور اپنے کام کا ہرج بھی کرتا ہے اس طرح بظاہر اس کو اس کے اموال میں تصرف کرنے کا حق ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ بات درست ہے لیکن اگر کوئی شخص صاحب حیثیت ہے اور اسے مالی مفاد کی ضرورت نہیں تو پسندیدہ یہی امر ہے کہ وہ حق الخدمت وصول نہ کرے اور اپنی خدمت کا اجر خدا تعالیٰ سے چاہے۔ لیکن اگر وہ محتاج ہے تو وہ مناسب حق الخدمت لے سکتا ہے۔ ایسا حق الخدمت نہ ہو جو یتامیٰ کے اموال کو نقصان پہنچانے والا ہو۔ جیسا کہ فرمایا

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ

یعنی جو شخص مالدار ہو اسے چاہیئے کہ وہ یتیم کے مال کے استعمال سے کلی طور پر اجتناب کرے لیکن جو نادار ہو وہ مناسب طور پر اس مال میں سے کھائے۔ ایسا نہ کرے کہ یتیم کے بالغ ہونے کے خوف سے اسے جلد جلد خرچ کرنا شروع کر دے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا۔

یعنی یتامیٰ کے جوان ہونے کے خوف سے ان کے اموال ناجائز طور پر اور جلدی جلدی نہ کھاؤ۔

احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا۔

یارسول اللہ اِنِّیْ نَقِيْرٌ لَيْسَ لِیْ شَیْءٌ وَلِیْ يَتِيْمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيْمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَاَثِّلٍ (ابوداؤد)

میں محتاج ہوں میرے پاس کچھ نہیں اور میرے پاس ایک یتیم زیر کفالت ہے حضور نے فرمایا تو اپنے یتیم کے مال سے کھا۔ لیکن کھانے میں اسراف سے کام نہ لے۔ مناسب حال گزارہ لے۔ جلد جلد استعمال کر کے مال

کو ختم نہ کردے اور نہ اس طرح کھا کہ اصل مال ہی ختم ہوجائے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ضرورت مند یتیم کے مال سے حق الخدمت تو لے سکتا ہے لیکن وہ ایسا کرے کہ اس مال کو بڑھانے کے سامان کرے۔ اس کو کسی نفع مند کام پر لگائے اور پھر جو نفع ہو اس میں سے یتیم کی خوراک لباس اور دوسرے ضروری اخراجات کے علاوہ کچھ حصہ بقدر گزارہ بھی لے لے۔ اصل زر کو محفوظ رکھے۔

مذکورہ بالا آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کردے گا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال جس پر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلتا ہے ان بے وقوفوں کے حوالہ مت کرو۔ اور اس مال سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دیدیا کرو۔ اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہا کرو۔ یعنی ایسی باتیں جن سے ان کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال ان کی تربیت ہوجائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں۔ اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے ان کو سکھاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال ان کو پختہ کردو۔ غرض ساتھ ساتھ ان کو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کا وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہوجائیں یعنی عمر تقریباً ۱۸ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہوگئی ہے تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو اور فضول خرچی کے طور پر ان کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کرکے کہ اگر یہ بڑے ہوجائیں گے تو اپنا مال لے لیں گے، ان کے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولت مند ہو اس کو چاہیئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت نہ لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔ عرب میں مالی محافظوں کے لئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کارپرداز ان کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اس میں سے آپ بھی لیتے۔ راس المال کو تباہ نہ کرتے سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو ان کو ان کا مال دو۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

یتیم کا مال کھانے کے متعلق بڑی وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي

بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء)

جو لوگ ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں اور یقیناً وہ شعلہ زن آگ میں داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ۔ سات ہلاک کرنے والی باتوں سے بچو۔ صحابہ رض نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ وہ سات چیزیں کونسی ہیں فرمایا۔

اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ (بخاری)

(۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) جادو اور ٹونا۔ (۳) کسی کو بغیر حق کے قتل کرنا (۴) سود خوری (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانا۔ (۷) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گویا یتیم کا مال انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر انسان اپنی سلامتی چاہتا ہے تو اس سے بچنا اور اجتناب کرنا ضروری اور لابدی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

اِنِّيْ اُحَرِّجُ مَالَ الْيَتِيْمِ وَالْمَرْاَةِ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۹)

میں یتیم اور عورت کے مال سے ہمیشہ بچتا رہتا ہوں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس زمانہ میں مبعوث ہونے کا ایک بڑا مقصد احیاء دین یعنی اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا ہے اور ان احکام اسلام کو دوبارہ جاری کرنا ہے۔ جو ایک زمانہ سے امتِ مسلمہ نظر انداز کر چکی تھی۔ آپ کے متبعین وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کے مصداق ہیں۔ اس لئے ہمیں صحابہ رض کے رنگ میں رنگین ہونا چاہیئے اور ان اسلامی روایات کو زندہ کرنا چاہیئے جو مٹ چکی ہیں۔ یتامےٰ سے متعلق تعلیم بھی ایک حد تک نظر انداز کی جا رہی ہے۔ ہماری جماعت کو خصوصاً اسے زندہ کرنا چاہیئے اور اس کے تمام احکام پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ تا ہمارے بھائی اطمینانِ قلب سے ان قربانیوں کو پیش کریں جن کا مطالبہ آج اسلام ہم سے کر رہا ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اپنی رحمتوں، افضال اور برکات کا مورد اور اپنی رضا کی جنتوں کا وارث بنائے۔ آمین

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد شخصی خلافت ہی مقدر تھی

(محترم شیخ مبارک احمد صاحب فاضل قائد تربیت مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

مارچ ۱۹۱۴ء میں خلافتِ ثانیہ کے قیام کے وقت جن لوگوں نے حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کیا تھا انہوں نے مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کو آپ کا خلیفہ برحق اور جانشین تسلیم کیا تھا۔ اس وقت ان کا ایسا کرنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات مندرجہ الوصیۃ کے عین مطابق تھا چنانچہ ممبران مجلس معتمدین کی طرف سے اس وقت یہ لکھا گیا کہ

"حضرت مولانا نورالدین صاحب کی بیعت الوصیت کے خلاف ہرگز نہ تھی بلکہ اس کے عین مطابق تھی۔" (پیغام صلح ۱۹ اپریل ۱۹۱۴ء)

لیکن مارچ ۱۹۱۴ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو انہوں نے اپنا موقف تبدیل کر لیا۔ اور اپنے اس تبدیلیٔ موقف کی تائید میں بہت سی تاویلات پیش کیں اور ان میں سے ایک تاویل یہ تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد شخصی خلافت یعنی کسی فردِ واحد کی خلافت نہیں ہوگی بلکہ حضور نے انجمن کو اپنا جانشین قرار دے کر فرد واحد کی خلافت کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور اس کی تائید میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں۔

"چونکہ انجمن خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی جانشین ہے اس لئے انجمن کو دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہنا ہوگا اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہونے چاہئیں۔" (الوصیت صـ۲۵)

غیر مبائعین کی یہ تاویل درست نہیں کیونکہ آیت استخلاف میں وعدہ ہے کہ امت محمدیہ میں خلافت اسی طرح ہوگی جیسا کہ (كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ) پہلی امتوں میں ہوئی۔ کیا پہلی امتوں میں جب

نبی آئے تو ان کی وفات کے بعد خلافت انجمن کو دی گئی یا شخصی خلافت تھی۔ حضرت موسیٰ کے بعد یوشع بن نون خلیفہ ہوئے۔ حضرت عیسےٰ کے بعد پطرس خلیفہ ہوئے

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا كَانَتْ نُبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۱۹)

مَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَةٌ (خصائص کبریٰ) اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی ہے اور ہر نبی کے بعد خلیفہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلافت کے قیام کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی ہے کہ تَكُوْنُ الْخِلَافَةُ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی تھے۔

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح موعود کو نبی اللہ کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی وحی میں نبی کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(۳) غیر مبایعین شروع ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۱۴ء کے پیغام صلح میں ایک اداریہ کا عنوان جلی قلم سے یہ لکھا ہے "ہم ایک نبی کے سلسلہ کے ممبر ہیں"

ب۔ پھر ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کے پیغام صلح میں لکھا۔ "پھر خدا کے مرسل اور مامور کے کلام صریح کے بالمقابل یہ عامیانہ بات منہ سے اب آپ نکالتے ہیں"

ج۔ ۱۲ اپریل کے پیغام صلح میں لکھا۔ "الفضل لکھتا ہے کہ کرزن گزٹ نے لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد نبی نہ تھے پس اس کی گدی اس کے لڑکے کو ملنی چاہیئے۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نبی تھے اور ان کی جانشینی کا مسئلہ اسی طرح حل ہونا چاہیئے جس طرح دوسرے انبیاء کی جانشینی کا مسئلہ حل ہوتا رہا۔"

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہوئے تو آپ کے بعد سابقہ انبیاء کی طرح شخص واحد خلیفہ ہوگا نہ کہ انجمن۔

(۳) انجمن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ نہ تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جماعت احمدیہ کا پہلا کلی اجماع اس بات پر ہوا کہ کسی ایک فرد کو واجب الاطاعت خلیفہ تسلیم کیا جائے اور یہ بات عین خدائی تقدیر کے مطابق تھی۔ مولوی محمد علی صاحب نے لکھا۔

"الٰہی منشاء نے سلسلہ کی مزید تقویت کے لئے سب کے دلوں میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر یہ ڈال دیا کہ اس پاک اور بے نفس وجود سے جو نور الدین کی شکل میں تم میں موجود ہے

روحانی تعلق پیدا کرو۔ اس لئے اس کا انتخاب چالیس سے نہیں کیا بلکہ کل قوم کی گردنیں الٰہی ارادہ سے اس کے آگے جھک گئیں اور قریب ڈیڑھ ہزار کے آدمیوں نے ایک ہی وقت میں بیعت کی۔ اور ایک بھی متنفس باہر نہیں رہا کیا مرد اور کیا عورتیں۔"

(۴) انجمن نے خود بھی انجمن کو خلیفہ اور جانشین نہیں سمجھا، چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد انجمن کی طرف سے سیکرٹری خواجہ کمال الدین صاحب نے جماعت کی اطلاع کے لئے حسب ذیل اعلان جاری کیا۔

"حضور علیہ السلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہ اجازت حضرت اُم المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین الشریفین جناب حکیم نورالدین سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

اس اطلاعی بیان میں خواجہ صاحب نے آگے چل کر لکھا:۔

"کل حاضرین جن کی تعداد اوپر دی گئی ہے بالاتفاق خلیفۃ المسیح قبول کیا۔ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں خود یا بذریعہ تحریر بیعت کرلیں۔"

(الحکم ۲۸ مئی و بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء)

(۵) انجمن خلیفہ نہیں کیونکہ انجمن تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی حضور کے حکم سے قائم ہو چکی تھی اور خلیفہ اور جانشین کسی کی عدم موجودگی میں ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے، پھر حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی انجمن تھی۔ اس لئے انجمن کو خلیفہ سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۶) جانشین کا لفظ انجمن کے لئے ذمہ داری کے لئے مذکور ہوا ہے۔ انجمن مالی معاملات اور دیگر انتظامی امور میں خلیفۂ وقت کی طرف سے ذمہ وار ہے کہ اپنے فرائض احسن رنگ میں انجام دے نہ کہ اس کے صاحب اقتدار اور خلیفۂ وقت کے حریف ہونے پر دلالت کرنے کے لئے۔ اس جگہ ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انجمن کی موجودگی میں خلیفۂ وقت کی ضرورت نہیں۔

(۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصریحات خلافت شخصی کے لئے وضاحت کرتی ہیں نہ کہ انجمن کے خلیفہ ہونے کی۔

۱۔ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب حمامة البشریٰ میں آنحضرت صلعم کی ایک حدیث کو درج فرمایا "ثُمَّ یُسَافِرُ الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْ خَلِیْفَةٌ مِّنْ خُلَفَآئِہٖ اِلٰی اَرْضِ دِمَشْقَ" گویا (۱) آنحضرت نے فرمایا کہ مسیح موعود کے جانشین خلفاء ہونگے نہ کہ انجمن (۲) خود اپنی رائے اور مسلک کو ظاہر فرمایا کہ آپ کے بعد خلفاء ہوں گے نہ کہ انجمن خلیفہ مقرر ہو آپ نے فرمایا مسیح کا ایک خلیفہ سفر کریگا اور واقعات نے بھی اسکی تصدیق کردی۔

(۲) الوصیت میں حضور نے فرمایا:۔

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کرکے دکھلا دے سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔" (الوصیت ص۶-۷)

انجمن تو حضور کی زندگی میں قائم ہوئی تھی۔ یہاں فرماتے ہیں۔ "دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں" معلوم ہوا آپ کے بعد خلافت شخصی ہونی تھی اور اس کا ظہور آپ کے جانے کے بعد ہونا تھا

(۳) سبز اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل ارشاد شخصی خلافت پر دلالت کرتا ہے اور انجمن کے خلیفہ نہ ہونے کی وضاحت کرتا ہے۔

"دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شقیں ظہور میں آجائیں۔"

۴۔ پھر آپ نے پیغام صلح میں تحریر فرمایا:۔

"جو لوگ ہماری جماعت سے ابھی باہر ہیں وہ سب پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ لوگ نہیں جو ان کے نزدیک واجب الاطاعت ہے"

ظاہر ہے واجب الاطاعت لیڈر دینی جماعت کے لئے نبی کے بعد خلیفہ ہی ہوتا ہے۔ اس کے بغیر وحدتِ نظام قائم نہیں رہ سکتی۔

پیغام صلح رسالہ میں ہندوؤں سے معاہدہ کرنے اور ان کے نقضِ عہد کی صورت میں فرمایا:۔

"وہ لوگ ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہ ہوگی احمدی سلسلہ کے پیشرو کی خدمت میں پیش کریں گے"

اگر انجمن خلیفہ ہوتی تو حضور فرماتے کہ "احمدی سلسلہ کی انجمن کو پیش کریں گے۔"

ان ارشادات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت انجمن کی صورت میں قائم نہیں ہونی تھی بلکہ شخصی خلافت کا سلسلہ جاری ہونا تھا۔

(۸) حضرت خلیفہ اول رضؓ کے متعلق کہا گیا تھا۔

"حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا۔" (میدر ۲ جون ۱۹۰۹ء)

آپ نے فرمایا:۔

"خلافت کیسری کی دوکان کا سوڈا واٹر نہیں۔ تم اس بکھیڑے میں کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے اور نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ پس جب میں مر جاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہوگا جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ کھڑا کر دے گا۔"

اس ارشاد میں بھی خلافت شخصی کا ذکر ہے انجمن کا نہیں۔ درمیانی عرصہ میں جمہوریت اور انجمن کا لمبا عرصہ تک راگ گاتے کے بعد تجربہ سے اس حقیقت کو خود امیر غیر مبایعین مولوی محمد علی صاحب مرحوم کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ انجمن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جانشین نہیں ہو سکتی بلکہ اس قسم کا نظام ہونا چاہیئے جیسے مبایعین نے پیش کیا اور تسلیم کیا۔ مکرم مولوی صاحب لمبا عرصہ کے تلخ تجربات کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ خلافت کے رنگ میں ایک مرکزی شخصیت کا موجود ہونا ترقی کے لئے واقعی ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ترقی تبھی ممکن ہے جب ایک واجب الاطاعت امیر کے ہاتھ میں جماعت کی باگ ڈور ہو تمام افراد اس کے اشارے پر حرکت کریں۔ سب کی نگاہیں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر ہوں اور جو بھی اس کی زبان فیض ترجمان سے کوئی حکم مترشح ہو سب بلا حیل و حجت اس پر عمل پیرا ہوں۔" (پیغام صلح ۷ فروری ۱۹۳۶ء)

اسلامی معاشرے میں میاں بیوی کے حقوق و فرائض

(۲)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے لئے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تا مرد کے حقوق عمدگی سے ادا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

کے مطابق مرد کے لئے بھی کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تا عورت کے تمام حقوق احسن رنگ میں ادا ہو سکیں اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں مردوں کو یہ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

کہ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو۔ یہ الفاظ مختصر ہیں لیکن نہایت جامع۔ اس میں تمام وہ باتیں شامل کر دی گئی ہیں جو خانگی زندگی کو خوشگوار نمونہ جنت بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ عورتوں سے حسن معاشرت کا حکم اسلام کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر صرف معاشرت کا لفظ ہی نہیں رکھا جو بذاتِ خود عادقانہ اور مخلصانہ تعلقات کا مقتضی ہے بلکہ اس کے ساتھ تاکید کے طور پر بالمعروف کا لفظ بھی بڑھا دیا۔ یعنی ایسی معاشرت جو معروف اور دستور کے مطابق ہو اور پسندیدہ ہو اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ارشاد فرمایا کہ

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ان سے میل جول اچھا نہ رکھا جائے۔ یا حسن معاشرت کا رویہ ترک کر دیا جائے۔ بلکہ ایسی صورت میں ان سے اپنی طبیعت پر زور دے کر بھی حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ناپسندیدگی کو دور فرما دے گا۔ بعض دفعہ عورت کی

بعض عادتیں ناپسند ہوتی ہیں یا وہ خوبصورت نہیں ہوتی یا اس میں کوئی کمزوری یا نقص ہوتا ہے تو مرد کو چاہیئے کہ صبر و تحمل سے کام لے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے ذریعہ سے مرد کو کچھ ایسی خیر و بھلائی پہنچانے کا ارادہ کیا ہو جس تک مرد کی نگاہ نہ پہنچتی ہو۔

حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل سے اچھا سلوک کرتا ہے اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضورؐ نے مسلمانوں کو جو تاکیدی ہدایات و نصائح فرمائیں۔ ان میں عورتوں کے بارے میں آپ کی آخری نصیحت یہ تھی کہ عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔ حدیث ترمذی میں حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ با اخلاق ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہو۔ یعنی جس کا سلوک اور برتاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جتنا اچھا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی اچھا ہوگا۔ اس لئے مردوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کے ساتھ پیش آئیں۔ ان کی بھلائی اور خیرخواہی کا خیال رکھیں اور بشاشت کے ساتھ رہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں دی بلکہ آپ کا تعامل بھی اس بارہ میں بے نظیر تھا۔ آپ نے اپنے متعلق فرمایا کہ

اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔

کہ میں اپنے اہل کے ساتھ تم سب سے زیادہ حسن سلوک کا رویہ رکھتا ہوں۔ آپؐ کے اخلاق اپنے اہل کے ساتھ نہایت ہی اعلیٰ تھے۔ آپؐ ان سے ہنستے کھیلتے بھی تھے ہمیشہ کشادہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ ان کے کاموں میں ان کی مدد بھی کرتے تھے۔

حسن معاشرت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل میں حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے ساتھ اس کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر کراہت کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بیوی آخر انسان ہے اس سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ تم مردوں سے بھی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ خدا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مردوں کو یہی ارشاد ہے کہ حسن معاشرت کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چشم پوشی سے کام لیں۔ یہ انسانیت نہیں کہ نمک زیادہ ہو گیا۔ مرچ تیز ہو گئی اور آپ نے گھر میں فساد مچا دیا۔ ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت سے گھر بگڑ جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ شیطان جتنا مرد اور بیوی کے بگاڑ سے خوش ہوتا ہے اتنا اور کسی سے خوش نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ عورتیں طبعی طور پر اور پیدائشی طور پر کمزور ہیں اور اپنی کمزوری اور نزاکت کے باعث آرام و آسائش اور خاص شفقت کی مستحق ہیں۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو جو تعلیم دی ہے اس میں صاف طور پر فرمایا:

"جو اپنی اہلیہ اور اس کے عزیز و اقارب سے اچھا سلوک نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"

اللہ تعالےٰ کی طرف سے مرد کے لئے یہ بات فرض قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ عفو و کرم کی روش رکھے۔ اور حسنِ معاشرت میں بہر حال ایک اہم فرض خاوند کا ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے۔

مرد کو چونکہ اللہ تعالےٰ نے قوّام بنایا ہے۔ بیوی کے لئے روزی کا مہیا کرنے والا ہے۔ اس کا محافظ نگران اور ذمہ دار اور متکفل بنایا ہے۔ اس لئے اس حیثیت سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرے۔ البتہ اگر وہ خوشی سے مہر میں سے کچھ چھوڑ دے تو تم اسے استعمال کر سکتے ہو لیکن وہی مہر معاف ہے جو دل کی خوشی سے کیا گیا ہو۔

مہر خاوند کی حیثیت کے موافق اور فریقین کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہیئے اور حتی الوسع اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ مہروں میں غلو نہ ہو۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ چھ ماہ کی آمد سے ایک سال کی آمد تک بطور مہر مقرر کرنے کا مشورہ دیں اس اصول میں ہر طبقہ کا خیال رکھا گیا ہے۔

ایک اور فرض خاوند کا بحیثیت قوّام ہونے کے یہ ہے کہ وہ نفقہ کا ذمہ دار ہے۔ خاوندوں کا فرض ہے کہ وہ نان نفقہ میں بخل سے کام نہ لیں۔

مرد کا ایک اہم فرض ہے کہ وہ قوّام ہونے کی حیثیت سے اسے جو اختیارات اور حق فوقیت دیا گیا ہے ان کا استعمال درست طور پر کرے اور غلط رنگ میں ظالمانہ طریقہ سے نہ کرے۔ قرآن مجید میں عدل کی شرط کے ساتھ ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور صاف حکم موجود ہے کہ اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو۔

عدل کے بارہ میں قرآن کریم نے وضاحت کر دی ہے کہ دلی محبّت اور جذبات کا جہاں تک

تعلق ہے اس میں مساوات برتنے پر انسان قادر نہیں اور نہ ہی اس کے لئے مکلّف ہے۔ البتہ اس بات کے لئے مکلّف قرار دیا گیا ہے کہ نفقہ اور معاشرت اور باری میں یکساں سلوک کرے۔ خاوند کے فرائض جو اسلامی معاشرہ میں اس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان کی رو سے بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا خاوند کو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ خاوند اپنی بیوی کا ہر رنگ میں احترام کرے۔ خاوند اپنی بیوی کی دلجوئی کرے۔ اور اس پر یہ واضح کرنے کی کوشش کرے کہ وہ اس کی تکلیف کا باعث اور توجہ کا مرکز ہے۔ خاوند بیوی کے نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کا خیال رکھے اور حتی المقدور استطاعت کے پیش نظر فیاضانہ سلوک کرے خاوند بیوی کے گھریلو اور خانگی فرائض اور ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹائے اور کام کاج میں امداد کرے۔ بیوی کی صحت وعافیت کا خیال رکھے۔ اور بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ خاوند بیوی کی اتنی نگرانی نہ کرے جس سے کہ اس کے لئے جینا محال ہو جائے۔ خاوند بیوی کی معمولی لغزشوں پر درگذر کرے اور بیوی سے عفو اور درگزر کا رویہ رکھے۔ خاوند بیوی سے بات بات پر ایسی صورت پیدا نہ کرے کہ طلاق یا خلع کی نوبت آئے حتی الوسع معاملات نرمی پیار اور حکمت سے طے پائیں۔

خاوند ہر ایسے طریقے سے جو بیوی کو ناجائز طور پر ایذا اور ضرر پہنچاتے اور تکلیف دینے کا موجب ہو اس سے اجتناب کرے۔ خاوند بیوی کے دکھ اور درد میں دلی ہمدردی کا رویہ رکھے۔ خاوند بیوی کو اس کے رشتہ داروں کے ساتھ ملنے جلنے کی اجازت دے۔ بشرطیکہ وہ فتنہ وغیرہ پیدا کرنے کا موجب نہ ہوں اور خود بھی ان کا احترام و اکرام کرے۔ خاوند بیوی سے گھر کے اہم امور میں مشورہ کرے اور حتی الوسع گھر کے معاملات کو باہمی رضامندی سے انجام دے۔ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں خاوند ساری بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کا جو ظاہری تقاضا ہے اسے ہر حالت میں پورا کرے۔ برابر کا لباس، برابر کا مکان برابر کا خرچ۔ برابر کی باری مقرر ہونی چاہیئے۔ خاوند کا فرض ہے کہ کبھی کبھی اپنی بیوی کے ساتھ سیر و تفریح اور ہنسی کھیل میں بھی شریک ہو۔ خاوند اگر اپنے فرائض کو نیک نیتی اور حوصلہ کے ساتھ انجام دے اور عورت کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ معاشرت کا طریق رکھے تو عورت کے سب حقوق بڑی خوبی کے ساتھ ادا ہو سکتے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ عورت خصوصی شفقت اور ہمدردی کی مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر مسلمانوں کو جو آخری وصیت فرمائی اس میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید فرمائی اور اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی عورتوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:۔

"انسان کے اخلاقِ فاضلہ اور خدا کے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہی تو ہیں۔ اگر ان سے ان کے تعلقات اچھے نہیں تو پھر خدا سے کس طرح ممکن ہے کہ صلح ہو۔"
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی جناب سے توفیق عطا فرمائے کہ ان حقوق و فرائض کی ادائیگی خالصۃً اس کی رضا اور خوشنودی کے مطابق کر سکیں۔ آمین

(مرسلہ مجلس انصار اللہ لائل پور شہر)

اسلام میں تعدد ازدواج کی حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف کا منشاء زیادہ بیویوں کی اجازت سے یہ ہے کہ تم کو اپنے نفوس کو تقویٰ پر قائم رکھنے اور دوسرے اغراض مثلاً اولادِ صالحہ کے حاصل کرنے اور خویش و اقارب کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی بجا آوری سے ثواب حاصل ہو اور اپنی اغراض کے لحاظ سے اختیار دیا گیا ہے کہ ایک دو تین چار عورتوں تک نکاح کر لو۔ لیکن اگر ان میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہوگا اور بجائے ثواب کے عذاب حاصل کرو گے کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ سے دوسرے گناہوں پر آمادہ ہوئے۔ دل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین ان کو اپنے سے جدا اور دوسرے کے حوالے کرتے ہیں تو خیال کرو کہ کیا امیدیں ان کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جن کا اندازہ انسان عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔ اگر انسان کا سلوک اپنی بیویوں سے عمدہ ہو اور اسے ضرورتِ شرعی پیدا ہو جاوے تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے ناراض نہیں ہوتی .... اصل بات یہ ہے کہ بیویوں کی ناراضگی کا باعث خاوند کی نفسانیت ہوا کرتی ہے اور اگر ان کو اس بات کا علم ہو کہ ہمارا خاوند صحیح اغراض اور تقویٰ کے اصول پر دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ کبھی بھی ناراض نہیں ہوتیں۔ فساد کی بناء تقویٰ کی خلاف ورزی ہوا کرتی ہے۔"

(البدر ۸ جولائی ۱۹۰۴ء)

انصار اللہ کا ۱۷واں مرکزی اجتماع

قبل ازیں اعلان کیا جا چکا ہے کہ امسال مجلس انصار اللہ کا ۱۷واں مرکزی سالانہ اجتماع انشاء اللہ العزیز ۱۷۔۱۸۔۱۹ نبوت (نومبر) ۱۳۵۱ ہش / ۱۹۷۲ء بروز جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار ربوہ میں منعقد ہوگا۔

یہ اجتماع خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی برکات کا حامل ہوتا ہے۔ خاص پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات اور قلوب میں اثر پیدا کرنے والی نصائح کا موقعہ ملتا ہے۔ حاضرین بزرگانِ سلسلہ اور اہلِ علم اصحاب کی پُر مغز تقاریر سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ رقّت سے پُر دعاؤں اور رجوع الی اللہ کے جو مواقع اجتماع میں ملتے ہیں۔ ان کی لذّت شامل ہونے والے احباب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ دلوں میں ایک خاص قسم کی طمانیت اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مرکز کی زیارت اور دوستوں سے ملاقات ان امور کے علاوہ ہے۔ آپ از راہِ کرم ابھی سے اس اجتماع میں شمولیّت کیلئے انصار کو پُر زور تحریک فرماویں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے فیصلہ کے مطابق ناظمینِ اعلیٰ، ناظمین اضلاع نیز زعماء اعلیٰ / زعماء کی اس مرکزی اجتماع میں حاضری لازمی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ صدر مجلس سے قبل از وقت رخصت حاصل کرلیں۔

مندرجہ ذیل امور کی طرف بھی از راہِ کرم فوری توجہ فرما دیں:۔

(۱) شوریٰ انصار اللہ کے لئے اگر آپ اپنی مجلس کی طرف سے کوئی تجویز بھجوانا چاہتے ہوں تو مجلس عاملہ کی منظوری کے بعد (معین الفاظ میں) ۵۔اخاء/اکتوبر تک دفتر مرکزیہ میں بھجوا دیں۔ اس کے بعد آنے والی تجاویز پر غور نہیں کیا جا سکے گا۔

(۲) اس سال شوریٰ انصار اللہ کے موقعہ پر آئندہ تین سال کے لئے صدرِ مجلس کا انتخاب ہوگا۔ آپ اپنی مجلس عاملہ میں یہ معاملہ پیش فرما کر صدرِ مجلس کے لئے نام تجویز کروائیں اور ۵ اِخاء/اکتوبر تک مرکز کو مجلس عاملہ کے فیصلوں سے آگاہ کریں۔

(۳) اپنی مجلس کی طرف سے نمائندگانِ شوریٰ کا انتخاب کروا کر ان کے اسماء سے مرکز کو مطلع فرمائیں۔ قواعد کے مطابق بیس اراکین، یا اس کی کسر پر ایک نمائندہ منتخب ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ ناظمین اعلیٰ، ناظمین اضلاع اور زعماء/زعماء اعلیٰ اپنے عہدہ کے لحاظ سے شوریٰ کے ممبر ہوں گے۔ نمائندگان کی اطلاع مرکز میں بھجوانے کی آخری تاریخ یکم نبوت/نومبر مقرر کی گئی ہے۔ اس تاریخ تک آپ کی طرف سے اطلاع مل جانی چاہیئے۔

(۴) سالانہ اجتماع انصار اللہ کا چندہ جس کی شرح کم از کم ایک روپیہ فی رکن ہے جملہ اراکین سے وصول کر کے جلد بھجوا دیا جائے تاکہ اجتماع کے انتظامات میں مالی دشواری پیش نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کو بیش از بیش خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔ آمین

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

امتحان اطفال برائے وظیفہ

احمدی بچوں میں سلسلہ سے متعلق معلومات کا ذوق پیدا کرنے کے لئے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی جانب سے ایک انعامی مقابلہ خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر منعقد کیا جاتا ہے۔ اس سال یہ اجتماع ۶ - ۷ - ۸ اِخاء/اکتوبر کو منعقد ہو رہا ہے۔ احباب سے گزارش ہے کہ وہ اس مقابلہ کے لئے بچوں کو تیار کرائیں۔ اس مقابلہ میں اول و دوم آنے والوں کو علی الترتیب ایک سال کی پوری اور نصف فیس بطور وظیفہ مجلس کی جانب سے پیش کی جاتی ہے۔ امتحان کا نصاب درج ذیل ہے۔

۱ - بچوں کے لئے تاریخ احمدیت مولفہ شیخ خورشید احمد صاحب
۲ - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی قبل از نبوت کے مختصر حالات
۳ - صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از قرآن کریم
۴ - سورۃ البقرہ کی ابتدائی سترہ آیات زبانی
۵ - انٹرویو۔ معلومات عامہ متعلقہ اسلام و احمدیت۔ ملک کے موٹے موٹے جغرافیائی اور سیاسی حالات

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

وقفِ جدید اور انصار اللہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"اگر خدا تعالیٰ احمدی بچوں کو توفیق دے تو جماعت احمدیہ کے بچے وقفِ جدید کا سارا بوجھ اٹھالیں۔"

انصار اللہ سے درخواست ہے کہ وہ نہ صرف احمدی بچوں کو وقفِ جدید کا سارا بوجھ اٹھانے کا اہل بنائیں بلکہ ہر فرد جماعت کو وقفِ جدید کی خاطر قربانی کے لئے اس رنگ میں تیار کریں کہ سب کی اجتماعی کوششوں سے یہ مقدس تحریک کم سے کم عرصہ میں زیادہ سے زیادہ مستحکم بنیادوں پر عالمگیر شکل اختیار کر سکے۔ تا اسلام کے آفاق گیر غلبہ کے ایام کو قریب سے قریب لانا ممکن ہو سکے۔

(قائد وقف جدید انصار اللہ مرکزیہ)

شر سے پرہیز کرو ، نوع انسان کے ہمدرد بنو اور اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

'' مجھے خدا نے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے اور حضرت مسیح ابن مریم کا جامہ مجھے پہنا دیا ہے اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو اور نوع انسان کے ساتھ حق ہمدردی بجا لاؤ - اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو کہ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے - کیا ہی گندہ اور ناپاک وہ مذہب ہے جس میں انسان کی ہمدردی نہیں اور کیا ہی ناپاک وہ راہ ہے جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھرا ہے - سو تم جو میرے ساتھ ہو ایسے مت بنو - تم سوچو کہ مذہب سے حاصل کیا ہے کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزادی تمہارا شیوہ ہو ؟ نہیں بلکہ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے جو خدا میں ہے اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہوجائیں - خدا کے لئے سب پر رحم کرو تا آسمان سے تم پر رحم ہو - آؤ میں تمہیں ایک ایسی راہ سکھاتا ہوں جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر غالب رہے اور وہ یہ ہے کہ تم تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو چھوڑ دو اور ہمدرد نوع انسان ہو جاؤ اور خدا میں کھوئے جاؤ اور اس کے ساتھ اعلی درجہ کی صفائی حاصل کرو کہ یہی وہ طریق ہے جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں اور فرشتے مدد کے لئے اترتے ہیں مگر یہ ایک دن کا کام نہیں - ترقی کرو - ترقی کرو - اس دھوبی سے سبق سیکھو جو کپڑوں کو اول بھٹی میں جوش دیتا ہے اور دیئے جاتا ہے یہاں تک کہ آخر آگ کی تاثیریں تمام میل اور چرک کو کپڑوں سے علیحدہ کر دیتی ہیں - تب صبح اٹھتا ہے اور پانی پر پہنچتا ہے اور پانی میں کپڑوں کو تر کرتا ہے اور بار بار پتھروں پر مارتا ہے تب وہ میل جو کپڑوں کے اندر تھی اور ان کا جزو بن گئی تھی کچھ آگ سے صدمات اٹھا کر اور کچھ پانی میں دھوبی کے بازو سے مار کھا کر یکدفعہ جدا ہونی شروع ہوجاتی ہے یہاں تک کہ کپڑے ایسے سفید ہوجاتے ہیں جیسے ابتداء میں تھے - یہی انسانی نفس کے سفید ہونے کی تدبیر ہے اور تمہاری ساری نجات اس سفیدی پر موقوف ہے - ''

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا -